

حکمتِ سیدِ مودودیؒ

اتحاد و اتفاق کے ۵ اصول

اخذ و اقتباس کردہ - جناب محمد یوسف صاحب

ہم یہاں چند ان بنیادی اصولوں کی نشاندہی کرتے ہیں جن پر اتفاق ممکن ہے، تاکہ سوچنے والے ان پر غور کریں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے ہم ان اصولوں کو لیتے ہیں جو ملک میں تعمیری فضا پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے کہ اگر فضا ہی سازگار نہ ہو تو ملک کے نظامِ زندگی کی بنیادوں پر گفتگو کرنا لا حاصل ہے۔

۱۔ ہر حال میں صداقت و انصاف کا احترام

اولین چیز جس پر ملک کے تمام مختلف الحیال گروہوں اور اشخاص کو اتفاق کرنا چاہیئے وہ صداقت اور باہمی انصاف ہے۔ اختلاف اگر ایمانداری کے ساتھ ہو، دلائل کے ساتھ ہو اور اسی حد تک ہے جس حد تک فی الواقع اختلاف ہے تو اکثر حالات میں یہ مفید ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اس طرح مختلف نقطہ نظر اپنی صحیح صورت میں لوگوں کے سامنے آ جاتے ہیں اور لوگ انہیں دیکھ کر خود رائے قائم کر سکتے ہیں کہ وہ ان میں سے کس کو قبول کریں تاہم اگر وہ مفید نہ ہو تو کم سے کم بات یہ ہے کہ مضر نہیں ہو سکتا، لیکن کسی معاشرے کے لئے اس سے بڑھ کر نقصان دہ کوئی چیز نہیں ہو سکتی کہ اس میں جب بھی کسی کو کسی سے اختلاف ہو تو وہ ”جنگ میں سب کچھ حلال ہے“ کا ابلیسی اصول اختیار کر کے اس پر ہر طرح کے جھوٹے الزامات لگائے، اس کی طرف جان بوجھ کر غلط باتیں منسوب کرے، اس کے نقطہ نظر کو

قصداً غلط صورت میں پیش کئے، سیاسی اختلاف ہو تو اسے غدار اور دشمن وطن ٹھہرائے، مذہبی اختلاف ہو تو اس کے پورے دین و ایمان کو متمم کر ڈالے اور ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے اس طرح پڑ جائے کہ گویا اب مقصد زندگی بس اسی کو نیچا دکھانا رہ گیا ہے۔ اختلاف کا یہ طریقہ نہ صرف اخلاقی لحاظ سے معیوب اور دینی حیثیت سے گناہ ہے، بلکہ عملاً بھی اس سے بے شمار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اس کی بدولت معاشرے کے مختلف عناصر میں باہمی عداوتیں پردر ش پاتی ہیں اس سے عوام دھوکے اور فریب میں مبتلا ہوتے ہیں اور اختلافی مسائل میں کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتے اس سے معاشرے کی فضا میں وہ تنگدہ پیدا ہو جاتا ہے جو تعاون و مفاہمت کے لئے نہیں بلکہ صرف تصادم و مزاحمت ہی کے لئے سازگار ہوتا ہے۔ اس میں کسی شخص یا گروہ کے لئے عارضی منفعت کا کوئی پہلو ہو تو ہو مگر بحیثیت مجموعی پوری قوم کا نقصان ہے جس سے بالآخر وہ لوگ خود بھی نہیں بچ سکتے جو اختلاف کے اس بیہودہ طریقے کو مفید سمجھ کر اختیار کرتے ہیں۔ بھلائی اسی میں ہے کہ ہمیں کسی سے خواہ کیسا ہی اختلاف ہو، ہم صداقت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور اس کے ساتھ ویسا ہی انصاف کریں جیسا ہم خود اپنے لئے چاہتے ہیں۔

۲۔ باہمی رواداری اور دوسرے کے حق رائے کو تسلیم کرنا

دوسری چیز جو اتنی ہی ضروری ہے اختلاف میں رواداری، ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش اور دوسروں کے حق رائے کو تسلیم کرنا ہے۔ کسی کا اپنی رائے کو حق سمجھنا اور عزیز رکھنا تو ایک فطری بات ہے۔ لیکن رائے رکھنے کے جملہ حقوق اپنے ہی لئے محفوظ کر لینا انفرادیت کا وہ مبالغہ ہے جو اجتماعی زندگی میں کبھی نہیں نبھ سکتا۔ پھر اس پر مزید خرابی اس مفروضے سے پیدا ہوتی ہے کہ ”ہماری رائے سے مختلف کوئی رائے ایمانداری کے ساتھ قائم نہیں کی جاسکتی، لہذا جو بھی کوئی دوسری رائے رکھتا ہے وہ لازماً بے ایمان اور بدنیت ہے۔“ یہ چیز معاشرے میں ایک عام بدگمانی کی فضا پیدا کر دیتی ہے۔ اختلاف کو مخالفتوں میں تبدیل کر دیتی ہے اور معاشرے کے مختلف عناصر کو جنہیں بہر حال ایک ہی جگہ رہنا ہے اس قابل نہیں رہنے دیتی کہ وہ ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھ کر کسی مفاہمت و مصالحت پر پہنچ سکیں۔ اس کا نتیجہ اگر کچھ ہو سکتا ہے تو وہ صرف یہ کہ ایک مدت دراز تک معاشرے

کے عناصر ترکیبی آپس کی کشمکش میں مبتلا رہیں اور اس وقت تک کوئی تعمیری کام نہ ہو سکے جب تک کوئی ایک عنصر باقی سب کو ختم نہ کر دے یا پھر سب لڑ لڑ کر ختم ہو جائیں اور خدا کسی دوسری قوم کو تعمیری خدمت سونپ دے۔ بد قسمتی سے نارواداری اور بدگمانی اور خود پسندی کا یہ مرض ہمارے ملک میں ایک دباتے عام کی صورت اختیار کر چکا ہے جس سے بہت ہی کم لوگ بچے ہوئے ہیں۔ حکومت اور اس کے اربابِ اقتدار اس میں مبتلا ہیں سیاسی پارٹیاں اس میں مبتلا ہیں، مذہبی گروہ اس میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ بستیوں، محلوں اور دیہات تک ان کے اثرات سے محفوظ نہیں رہے۔ اس کا مداوا صرف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ سب سے پہلے وہ لوگ جو اپنے اپنے حلقوں میں اثر و نفوذ رکھتے ہیں اپنی روش تبدیل کریں اور خود اپنے طرزِ عمل سے اپنے زیر اثر لوگوں کو تحمل و برداشت اور وسعتِ ظرف کا سبق دیں۔

۳۔ اختلاف برائے اختلاف سے اجتناب

تیسری چیز جسے تمام ان لوگوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے جو اجتماعی زندگی کے کسی شعبے میں کام کرتے ہوں، یہ ہے کہ ہر شخص اپنی قومیں دوسروں کی تردید میں صرف کرنے کے بجائے اپنی مثبت چیز پیش کرنے پر صرف کرے۔ اس میں شک نہیں کہ بسا اوقات کسی چیز کے اثبات کے لئے اس کے غیر کی نفی ناگزیر ہوتی ہے، مگر اس نفی کو اسی حد تک رہنا چاہیے جس حد تک وہ ناگزیر ہو اور اصل کام اثبات ہونا چاہیے، نہ کہ نفی۔ افسوس کہ معاملہ یہاں اس کے برعکس ہے۔ یہاں زیادہ تر زور اس بات پر صرف کیا جاتا ہے کہ دوسرے جو کچھ بھی کر رہے ہیں اس کی مذمت کی جائے اور اس کے متعلق لوگوں کی رائے خراب کر دی جائے، بعض لوگ تو اس منفی کام سے آگے بڑھ کر سب سے کو مثبت کام کرتے ہی نہیں اور کچھ دوسرے لوگ اپنے مثبت کام کے فروغ کا انحصار اس پر سمجھتے ہیں کہ میدان میں ہر دوسرا شخص جو موجود ہے اس کی اور اس کے کام کی پہلے مکمل نفی ہو جائے۔ یہ ایک نہایت غلط طریق کار ہے اور اس سے بڑی قباحتیں رونما ہوتی ہیں اس سے تلخیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس سے تعصبات ابھرتے ہیں اس سے عام بے اعتباری پیدا ہو جاتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس سے عوام کو تعمیری طرز پر سوچنے کے بجائے تخریبی طرز پر سوچنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔

۲۔ جبر و دھونس کے بجائے دلیل و ترغیب

ایک اور بات جسے ایک قاعدہ ٹکڑے کی حیثیت سے سب کو مان لینا چاہیے یہ ہے کہ اپنی مرضی دوسروں پر زبردستی مسلط کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے جو کوئی بھی اپنی بات دوسروں سے منوانا چاہتا ہو وہ جبر سے نہیں بلکہ دلائل سے منواتے اور جو کوئی اپنی کسی تجویز کو اجتماعی پیمانے پر نافذ کرنا چاہتا ہو وہ بزور نافذ کرنے کے بجائے ترغیب و تلقین سے لوگوں کو راضی کر کے نافذ کرے۔ محض یہ بات کہ ایک شخص کسی چیز کو حق سمجھتا ہے یا ملک و ملت کے لئے مفید خیال کرتا ہے اس بات کے لئے کافی نہیں ہے کہ وہ اٹھے اور زبردستی اس کو لوگوں پر مسلط کرنے کی کوشش شروع کر دے۔ اس طریق کار کا لازمی نتیجہ کشمکش، مزاحمت اور بد مزگی ہے۔ ایسے طریقوں سے ایک چیز مسلط تو ہو سکتی ہے مگر کامیاب نہیں ہو سکتی کیونکہ کامیابی کے لئے لوگوں کی قبولیت اور دلی رضا مندی ضروری ہے۔ جن لوگوں کو کسی نوع کی طاقت حاصل ہوتی ہے خواہ وہ حکومت کی طاقت ہو یا مال و دولت کی یا نفوذ و اثر کی، وہ بالعموم اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ انہیں اپنی بات منوانے اور اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہننے کے لئے رضائے عام کے حصول کا لمبا راستہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ بس طاقت کا استعمال کافی ہے لیکن دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ ایسی ہی زبردستیوں نے بالآخر قوموں کا مزاج بگاڑ دیا ہے۔ ملکوں کے نظام تہذیب و بالا کر دیئے ہیں، اور ان کو پر امن ارتقاء کے راستے سے ہٹا کر بے تکی تغیرات و انقلابات کے راستے پر ڈال دیا ہے پاکستان کے بااثر لوگ اگر واقعی اپنے ملک کے خیر خواہ ہیں تو انہیں دھونس کے بجائے دلیل سے اور جبر کے بجائے ترغیب سے کام لینا چاہیے اور اسی طرح پاکستان کے عام باشندے بھی اگر اپنے بدخواہ نہیں ہیں تو انہیں اس بات پر متفق ہو جانا چاہیے کہ وہ یہاں کسی کی دھونس اور زبردستی نہ چلنے دیں گے۔

۵۔ قومی مفاد کو مقدم رکھنا

اس سلسلے کی آخری بات یہ ہے کہ ہمیں اپنی چھوٹی چھوٹی عصیتوں کو ختم کر کے مجموعی طور پر پورے ملک اور ملت کی بھلائی کے نقطہ نظر سے سوچنے کا خوگر ہونا چاہیے۔ ایک مذہبی فرقے کے لوگوں کا اپنے ہم خیال لوگوں سے مانوس ہونا یا ایک زبان بولنے والوں کا اپنے ہم زبانوں سے قریب تر ہونا،

یا ایک علاقے کے لوگوں کا اپنے علاقے والوں سے دلچسپی رکھنا تو ایک فطری بات ہے اس کی نہ کسی طرح مذمت کی جاسکتی ہے اور نہ اس کا مٹ جانا کسی درجے میں مطلوب ہے مگر جب اسی طرح کے چھوٹے چھوٹے گروہ اپنی محدود دلچسپیوں کی بنا پر تعصب اختیار کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اپنے گروہ ہی مفاد یا مقاصد کے لئے معرکہ آرائی پر اترتے ہیں تو یہ چیز ملک اور ملت کے لئے سخت نقصان دہ بن جاتی ہے، اس کو اگر نہ روکا جاتے تو ملک پارہ پارہ ہو جاتے اور ملت کا شیرازہ بکھر جائے جس کے بُرے نتائج سے خود یہ گروہ بھی نہیں بچ سکتے لہذا ہم میں سے ہر شخص کو یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ جس فرقے، قبیلے، نسل، زبان یا صوبے سے بھی اس کا تعلق ہو اس کے ساتھ اس کی دلچسپی اپنی فطری حد سے تجاوز نہ کرنے پائے۔ یہ دلچسپی جب بھی تعصب کی شکل اختیار کرے گی تباہ کن ثابت ہوگی۔ ہر تعصب لازماً جواب میں ایک تعصب پیدا کر دیتا ہے اور تعصب کے مقابلے میں تعصب کشمکش پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتا، پھر بھلا اس قوم کی خیر کیسے ہو سکتی ہے جس کے اجزائے ترکیبی آپس ہی میں برسرِ پیکار ہوں۔

(ترجمان القرآن - جولائی ۱۹۵۵ء)

ہماری نئی مطبوعات

- ۱۔ خورشید رسالت کی پانچ کہیں آبادشاہ پوری ۱۸/- روپے
- ۲۔ یادِ رقتگان ماہر القادری ۴۲/-
- ۳۔ اسلام میں مجرم و سزا ڈاکٹر عبدالعزیز عامر ۳۳/-
- ۴۔ اسلامی ریاست کی ذمہ داریاں امام ابن تیمیہ ۱۸/-

المیکہ پبلی کیشنز - اسرہ و بانزار - لاہور ۲